ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

# خودی اور علومِ مروّجہ (۲)

## قدرت میں وجودِ باری تعالیٰ کے آثار و نتائج

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جس چیز نے طبیعیات کے علم کو ممکن بنایا ہے وہ یہ ہے کہ طبیعیاتی مظاہر قدرت میں ایک نظم یا آرڈر (Order) موجود ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قدرت میں نظم کی موجودگی کسی وارائے علم و حکمت اور صاحبِ اختیار و قدرت ذہن کی تخلیقی کارروائی کا پتہ دیتی ہے۔ اگر آپ کسی ایسے جنگل میں چلے جا رہے ہوں جس کے متعلق یہ مشہور ہو کہ اس میں آج تک کسی انسان نے قدم نہیں رکھا اور آپ اچانک کسی خوبصورت جھونپڑی کے پاس آنکلیں جس کے صحن میں سبزہ اور پھولوں کی کیاریاں بھی ہوں تو آپ فوراً کہیں گے کہ یہ کسی ذہن یا شخصیت کا کام ہے اور یہ بات صحیح نہیں کہ اس جنگل میں کبھی کوئی انسان نہیں آیا۔ کائنات کے جنگل میں قدم قدم پر ایسی بے شمار جھونپڑیاں نظر آتی ہیں بلکہ یہ پورا جنگل ہی کسی تجویز یا پلان کے مطابق تعمیر پایا ہوا نظر آتا ہے۔ مادی مظاہرِ قدرت کے اندر جو نظم پایا جاتا ہے وہ اس قدر جچا تلا ہے کہ ہم اسے ریاضیاتی قوانین کی صورت میں بیان کر سکتے ہیں اور یہ ریاضیاتی قوانین کائنات میں اس وقت بھی اپنا کام کر رہے تھے جب ہنوز دنیا میں کوئی ریاضیات جاننے والا انسان بلکہ کوئی انسان اور کوئی متنفس بھی موجود نہ تھا۔ ان ریاضیاتی قوانین کو کس ذہن نے سوچا تھا؟ ظاہر ہے کہ طبیعیات کا محقق اپنے مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت سے نظم کی جستجو کر کے اور اسے دریافت کر کے بار بار یہ سوال پیدا کرتا رہتا ہے کہ یہ کس کا ذہن ہے اور یہ کون سی شخصیت ہے جس کی تخلیقی کارروائی اور مقصدیت مادی کائنات کے ذرہ ذرہ میں آشکار ہے۔ یہ سوال چونکہ طبیعیات کی کتاب پیدا کرتی ہے اس کا جواب بھی اسی کتاب کو دینا چاہیے کسی اور کتاب کو نہیں۔ سوال کا جواب سوال کے موقع پر ہی ملنا چاہیے۔ اس سوال کا عقلی اور علمی جواب سوائے اس کے

© rasailojaraid.com

اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو تخلیق کی قدرت اور علم اور حکمت اور حسن اور کمال کی محبت کے اوصاف رکھتا ہے۔ اور چونکہ اس کا پیدا کیا ہوا نظم ہر جگہ اور ہر وقت ایک ہی رہتا ہے لہٰذا وہ خالق کائنات ایک ہی ہے۔ جدید طبعیات کی تحقیق کے مطابق مادہ فنا ہو جاتا ہے اور اگر کائنات کو برقرار رکھتے ہوئے مادہ کو رفتہ رفتہ کائنات سے نکال دیا جائے تو کائنات کے اندر فقط ریاضیاتی نسبتوں اور فارمولوں کا ایک جال باقی رہ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی بنیادی اور آخری حقیقت وہی ذہن ہے جس نے اس حیرت انگیز لازوال اور اٹل ریاضیاتی نظم کو سوچا ہے اور چونکہ آج تک کوئی ریاضیاتی انداز میں سوچنے والا ذہن شخصیت کی دوسری صفات مثلاً جذباتی اور جمالیاتی اوصاف سے الگ دیکھا نہیں گیا لہٰذا وہ ایک مکمل شخصیت ہے اور وہی شخصیت اس کائنات کی خالق ہے۔

بہ بزم ما تجلّی ہاست بنگر
جہاں ناپید و او پیداست بنگر

تاہم مغرب کا ماہر طبعیات اپنی طبعیات کی کتاب میں نہ تو اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اسے ڈر ہے کہ ایسا کرنے سے خدا پھر سائنس کے اندر آجائے گا اور دین اور دنیا اور کلیسا اور سائنس کے درمیان پھر کوئی حدِ فاصل باقی نہ رہے گی اور اس کے نتائج پھر وہی ہوں گے جن کا تجربہ ایک بار کیا جا چکا ہے۔

## علم طبعیات کی تعریف

مغرب کے حکماء اپنے اس غلط عقیدہ کی وجہ سے کہ صداقت وہی ہے جسے ہم اپنے حواس کی مدد سے جان سکتے ہیں طبعیات کی تعریف اس طرح سے کرتے ہیں کہ "طبعیات مادہ کا علم ہے"۔ لیکن یہ تعریف تصورِ خودی کے مضمرات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی، اس لیے کہ اس کے اندر یہ خیال مضمر ہے کہ مادہ کوئی ایسی چیز ہے جو خود بخود موجود ہے اور جس کا علم ہمیں اس کو جاننے کی خاطر حاصل کرنا چاہیے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔ یہ تعریف دہریت کے امکان کو مسترد نہیں کرتی بلکہ اس کے لیے راستہ ہموار کرتی ہے لیکن فلسفہ خودی کے مطابق مادہ قطعی طور پر خدا کی خالقیت اور ربوبیت کی وجہ سے موجود ہے، وہ اپنا کوئی بالذات وجود نہیں رکھتا، بلکہ خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا ایک نشان ہے۔ لہٰذا اس کا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جو علم ہو گا وہ پہلے اُس کے خالق اور رب کا علم ہو گا اور بنیادی طور پر ہمیں اس کا علم حاصل کرنے کی ضرورت اس لیے ہو گی کہ ہم اُس کے خالق کی خالقیت اور ربوبیت کو جانیں اور پہچانیں۔ لہٰذا فلسفۂ خودی کے مطابق طبعیات کی صحیح تعریف یہ ہو گی کہ "طبعیات مادہ کے اندر خدا کی تخلیقی فعلیت کا علم ہے" اور مغرب کے حکمائے طبعیات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ، جیسا کہ ہم اب اُسے دیکھتے ہیں، یکایک وجود میں نہیں آیا بلکہ تدریجی ارتقاء کی بہت سی منزلوں کو طے کر کے اپنی موجودہ حالت کو پہنچا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مادہ کی کسی حالت میں بھی یہ صلاحیت نہ ہو سکتی تھی کہ وہ خود بخود بدل کر اگلی حالت کی صورت اختیار کر لے۔ ایک بے جان شے جس حالت میں ہو اُس کو اُسی حالت میں رہنا چاہیے جب تک کہ کوئی اور قوت اُس پر عمل نہ کرے۔ مثلاً آکسیجن اور ہائیڈروجن میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں تھی جس سے وہ مل کر پانی بنا دیں اور پانی کے وجود میں آنے سے پہلے کوئی ماہر طبعیات اُن دونوں گیسوں کی خاصیات کی اس بنا پر یہ نتیجہ اخذ نہ کر سکتا تھا کہ اِن کا ایک خاص نسبت سے کیمیاوی ترکیب پانا ممکن ہے اور ان کی ترکیب کا نتیجہ پانی ایسے ایک سیّال کی صورت میں رونما ہو گا۔ پھر وہ کون سی قوت تھی جو مادہ کو بار بار ایک حالت سے بدل کر اگلی بہتر اور بلند تر حالت میں لاتی رہی، یہاں تک کہ اس کو وہ تکمیل حاصل ہو گئی جو زندگی کے ظہور کی ایک ضروری شرط تھی۔ وہ کون سی قوت تھی جس نے اُسے مختلف ارتقائی حالتوں سے گزار کر حالتِ کمال تک پہنچایا۔ فلسفۂ خودی کا جواب یہ ہے کہ وہ خدا کے ارادۂ تخلیق یا قولِ کُن کی قوت یعنی خود خُدا ہی کی قوت تھی۔ اسی قوت کو اقبال زندگی یا خودی کا نام دیتا ہے۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مل کر پانی بن جانا بلکہ اپنے ارتقاء کے ہر قدم پر مادہ کا ایک نئی بہتر، برتر اور مقصدِ کائنات سے قریب تر حالت کا اختیار کر لینا خُدا کے قولِ کُن سے ممکن ہوا تھا۔ لہٰذا طبعیات کی صحیح تعریف یہی ہے کہ وہ مادہ کے اندر خدا کے تخلیقی عمل کا علم ہے۔

## خودی اور حیاتیاتی علوم

حیاتیاتی علوم میں زوآلوجی (Zoolgoy) اور باٹنی (Botany) وغیرہ شامل ہیں۔ جب حیاتیاتی علوم فلسفۂ خودی کی روشنی کے بغیر مدوّن کیے جائیں تو وہ بھی طبعیاتی علوم کی طرح غلط بنیادوں پر قائم ہو جاتے ہیں اور طبعیاتی علوم سے زیادہ غلط رُخ اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ مغرب میں یہی ہوا ہے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

مغرب کے حیاتیاتی علوم کے حقائق فلسفۂ خودی کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے مغربی حکمائے حیاتیات کے اس بے بنیاد اور غلط عقیدہ کے بوجھ کے نیچے دبے ہوتے ہیں کہ حقیقت وہی ہے جسے ہم براہِ راست اپنے حواس خمسہ سے دریافت کر سکیں۔ جو چیز حیاتیاتی مظاہرِ قدرت کو ممکن بناتی ہے وہ زندہ اجسام کے اندر نظم، تجویز اور مقصد کی موجودگی ہے۔ تجویز اور مقصد کی موجودگی نظم سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ کسی ذہن یا شخصیت کے تخلیقی عمل پر دلالت کرتی ہے۔ ایک زندہ جسم حیوانی تنظیم اور مقصدیت کا ایک حیرت انگیز شاہکار ہے۔ اور یہ تنظیم اور مقصدیت اس کے ہر خلیہ (cell) کے اندر موجود ہوتی ہے۔ صرف آنکھ یا کان کے نہایت ہی پیچیدہ میکانیہ کی تخلیق میں علم و حکمت اور قدرت کے جو کمالات بروئے کار آئے ہیں ان پر ایک بڑی کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ایک زندہ جسم حیوانی کے اندر وہی حیاتیاتی وظائف، جو حیوان کی توجہ یا کوشش کے بغیر خود بخود اپنا کام کرتے ہیں، مثلاً عمل انہضام اور اس کی حیاتیاتی کیمیا، حیاتین اور رواقین کی صنعت، دورانِ خون، تنفس، ایک خاص طے شدہ جسمانی شکل کی جانب حیوان کی خودکارانہ نشوونما، تناسل، حیوان کے اعضائے رئیسہ، دل، جگر، پھیپھڑوں اور گردوں کا خودکارانہ عمل، زخموں کا خود بخود بھرنا اور بیماریوں کے خلاف صحت بحال کرنے والے ردِّ عمل کا خود بخود ظہور پذیر ہونا، سب مل کر حیوان کی زندگی اور نسل کو قائم رکھتے ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اپنے ظاہری اختلاف کے باوجود یہ وظائف آپس میں اور حیوان کے بیرونی جبلتی اعمال و افعال کے ساتھ ایک خاص مقصد کے لیے مکمل اتفاق و اتحاد رکھتے ہیں اور وہ مقصد حیوان کی زندگی اور نوع کا قیام ہے۔ حیوان کے علم اور احساس کے بغیر اس قدر مکمل یک جہتی، یک سوئی اور موافقت کے ساتھ ان وظائف کے بامقصد عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوان کی پیدائش اور نشوونما ایک ایسے ذہن کے حکیمانہ اور قادرانہ تصرف میں ہے جو حیوان کا اپنا ذہن نہیں، اور اس بات میں ذرا شک باقی نہیں رہتا کہ یہ ذہن ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اس کو صرف یہ کہنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ کان کا پردہ یا آنکھ کا شیشہ یا دل کا عضو اس طرح سے بن جائے اور وہ بن جاتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے حکم کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے (اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔـا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ)

© rasailojaraid.co

# ماحول سے جسمِ حیوانی کا توافق

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات کے اجسام خود بخود اپنے ماحول کے ساتھ ایک حیرت انگیز موافقت پیدا کر لیتے ہیں۔ ایک مچھلی جس نے پانی میں تیرنا ہوتا ہے پانی کا سانس لینے کے لیے گلپھڑے رکھتی ہے اور اس کا جسم اس طرح بنا ہوتا ہے کہ تیرتے وقت پانی کی مزاحمت کم سے کم ہو۔ اس کے دونوں پہلوؤں پر چپّو لگے ہوتے ہیں اور سرے پر تیرتے وقت آگے دھکیلنے والا ایک پر لگا ہوتا ہے۔ ایک پرندہ جس نے ہوا میں اُڑنا ہوتا ہے ایک پیچیدہ تجویز کے مطابق تیار کیا ہوا پروں کا ایک نظام رکھتا ہے جو اُسے اُڑنے میں سہولت بہم پہنچاتا ہے۔ اس کے جسم کے اندر ہوا سے بھری ہوئی [illegible] ہوتے ہیں اور اس کی ہڈیاں اندر سے کھوکھلی اور گرم گیس سے بھری ہوئی ہوتی ہیں تاکہ وہ ہلکا رہے اور آسانی سے پرواز کر سکے۔ دراصل ماحول کے ساتھ اعضاء کا توافق پیدا کرنا تمام زندہ اجسام کی ایک خصوصیت ہے جو اُن کی جسمانی ساخت اور جبلّتی فعلیت کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات میں بھی آشکار نظر آتی ہے اور اس کی مثالیں اَن گنت ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حیاتیات کی درسی کتابوں کا مضمون بھی یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ وہ ذہن جس کا پیدا کیا ہوا نظم اور مقصد حیوان کے جسم کے کونسے کونے میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے کس کا ہے؟ اور اس سوال کا علمی اور عقلی جواب بھی سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ کسی قادرِ مطلق خالقِ کائنات کا۔ لیکن ماہرِ طبعیات کی طرح حیاتیات کی درسی کتاب لکھنے والا مغربی ماہرِ حیاتیات بھی اس سوال کے جواب میں خاموش رہتا ہے۔ وہ یا تو حیاتیاتی مظاہرِ قدرت میں نظم اور مقصد کی موجودگی کو بالکل تسلیم ہی نہیں کرتا یا کرتا ہے تو اس کی غلط توجیہ اس طرح سے کرتا ہے کہ خدا کا تصور اُس کی کتاب میں گھسنے نہ پائے۔ اور اُس کی وجہ پھر یہی ہے کہ مغرب کی سائنس جس عقیدہ سے آغاز کرتی ہے اُس کی حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی اور کسی ایسے سوال کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھ سکتی جس کا جواب خدا ہو۔ اس فرضی مجبوری کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حیاتیاتی ارتقاء کے عمل کو، جو درحقیقت خدا کی ربوبیت کا دوسرا نام ہے، قدرت کی اندھا دھند بے مقصد میکانکی قوتوں کے کھیل کا اتفاقی نتیجہ سمجھ لیا گیا ہے اور پھر ارتقاء کے اس میکانکی مادی اور بے خدا نظریہ سے انسان اور کائنات کے

© rasailojaraid.com

بہت سے غلط مادّی فلسفے وجود میں آئے ہیں جن میں سے ایک مارکسزم ہے جس نے کروڑہا بندگانِ خدا کو ارتقاء کی شاہراہ سے ہٹا رکھا ہے اور غلط راستہ پر ڈالا ہوا ہے، جہاں سے انہیں ٹھوکریں کھا کر اور بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر واپس آنا پڑے گا۔

## علمِ حیاتیات کی تعریف

مغربی سائنسدانوں نے حیاتیات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "حیاتیات زندگی (یعنی زندہ اجسام) کی سائنس ہے"۔ لیکن طبعیات کی تعریف کی طرح یہ تعریف بھی غلط ہے، کیونکہ اس میں بھی اس بات کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ زندگی خود بخود موجود نہیں بلکہ خدا نے پیدا کی ہے اور خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا ایک مظہر ہے۔ لہٰذا حیاتیات کی صحیح تعریف اس طرح سے ہو گی: "حیاتیات خدا کے اس تخلیقی اور تربیتی عمل کی سائنس ہے جو جاندار اجسام میں ظہور پذیر ہوا ہے"۔ ضروری ہے کہ حیاتیات کی اس ناگزیر تعریف کو اختیار کرنے کے بعد حیاتیات کا علم خود بخود اس طرح بدلے اور نشوونما پائے کہ حیاتیاتی مظاہرِ قدرت میں تجویز اور مقصد کا انکار، جو مثلاً جولین ہکسلے اور اس کی طرح سوچنے والے اور ماہرین حیاتیات کا شیوہ ہے، اور حقیقتِ ارتقاء کی غلط میکانکی توجیہ جس کی بنیاد ڈاروِن نے رکھی ہے، دونوں ممکن نہ رہیں۔

(جاری ہے)


امیر تنظیم اسلامی کے مالی و معاشی کوائف پر مشتمل مفصل مضمون

# حسابِ کم و بیش

اب کتابچے کی صورت میں دستیاب ہے!

صفحات ۶۴، قیمت اشاعتِ عام -/۶ روپے، اشاعتِ خاص (سفید کاغذ) -/۱۰ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور


© rasailojaraid.com

# مسئلہ سود

اور

# غیر سودی مالیات

محمّد اکرم خان

(۴)

## XI۔ سابقہ حکومت کی روزگار سکیم

© rasailojaraid.com

وزیر اعظم کی روزگار سکیم اگرچہ انتہائی نیک نیتی سے شروع کی گئی تھی' لیکن اسلامی معیشت کی طرف پیش رفت کے لئے یہ مددگار نہ تھی۔ اول یہ کہ اس پر سترہ فیصد سود تھا۔ جن لوگوں کے پاس سرے سے کوئی سرمایہ نہیں اگر وہ اس شرح سود پر قرض لیں تو کم از کم اس سے دوگنا منافع انہیں اپنے لئے بھی چاہئے تھا۔ لیکن چھوٹے کاروباروں میں شاید ہی کوئی ایسا کاروبار رہا ہو جو 50 فیصدی نفع بھی پیدا کرے اور اصل زر کی واپسی کے لئے بھی رقم فراہم کر سکے۔

بے روزگاری کو ختم کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تو خود سود کا خاتمہ ہے کیونکہ سود سرمایہ کاری کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ سود کا روزگار سے ایک معکوس تعلق ہے' جتنی شرح سود زیادہ ہوگی' سرمایہ کاری کم ہوگی اور روزگار کے مواقع کم ہوں گے' اور جتنی شرح سود کم ہوگی' سرمایہ کاری زیادہ ہوگی اور روزگار کے مواقع بھی زیادہ ہوں گے۔ اس بدیہی حقیقت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ کوئی ایسی ترکیب جس میں سود کو باقی رکھا جائے اور روزگار بڑھانے کی توقع یا کوشش کی جائے بار آور نہ ہوگی۔

© rasailojaraid.com

ایک مثالی حل تو یہ ہے کہ لوگوں کو یہ سرمایہ بلا سود قرض حسن کے طور پر ملے۔ لیکن چونکہ معیشت کے باقی شعبوں میں سود رائج ہے، حتیٰ کہ خود حکومت سیونگ سکیموں پر سود دے رہی ہے تو اغلب یہ ہے کہ لوگ بلا سود قرض لے کر کسی سیونگ سکیم میں لگا دیں گے اور اس طرح اپنے لئے سود خواری کا ایک اور باب کھول لیں گے۔

ان حالات میں ایک قابل عمل ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت چند ایک مخصوص کاروباروں کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا اعلان کرے۔ ان کاروباروں کے لئے موزوں صلاحیتوں والے لوگ ایسی بڑی بڑی کمپنیوں سے سے رابطہ کریں جو کہ ان کاروباروں کے لئے اموال تجارت یا خام مال فروخت کرتی ہوں۔ پھر جس شخص کو مال کی ضرورت ہو وہ ان کمپنیوں سے مال ادھار پر لے۔ اس کے لئے اسے ان کمپنیوں کو مطمئن کرنا ہو گا۔ کوئی رقم انہیں نقد نہ ملے گی بلکہ مال کی شکل میں ملے گی، اور جب تک پہلا پیسہ نہ لوٹائیں آئندہ ادھار نہ ملے گا۔ ضرورت ہو تو کوئی رہن کی شرط یا شخصی ضمانت رکھی جا سکتی ہے۔ اور یہ بڑی کمپنیاں بینکوں سے یا مالیاتی اداروں سے اس ادھار کا ایک بڑا حصہ (70، 80 فی صد) نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد (Re-finance) پر حاصل کریں۔ ان کمپنیوں کے حسابات پیشہ ور اکاؤنٹنٹ لکھیں اور آڈیٹرز آڈٹ کریں۔ یہ کمپنیاں نقد اور ادھار کی قیمت ایک ہی رکھیں گی تاکہ سود کسی دوسرے واسطے سے داخل نہ ہو سکے۔

## XII- غیر سودی نظام میں استحکام

ایک سوال یہ بھی ہے کہ نفع و نقصان میں شرکت کی وجہ سے کہیں بینکوں کا موجودہ نظام عدم استحکام کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ سوال صورت واقعہ کے صحیح ادراک نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ سودی نظام میں بینک زیادہ کمزور

© rasailojaraid.com

بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں بچت کنندگان کا سرمایہ مع سود کے بینک کی ذمہ داری ہوتا ہے، لیکن اگر بینک کے اثاثہ جات (جو کہ سرمایہ کاروں کے ہاں بینک کی رقوم (Advances) کی شکل میں ہوتے ہیں) کی قدر و قیمت میں کمی آ جائے، جیسا کہ اس وقت ہوتا ہے جب بہت سے لوگ نادہند ہو جائیں، یا بینک کے پاس رہن رکھی گئی ضمانتیں بے کار ہو جائیں، تو بینک کے دیوالیہ ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بینک کے واجبات تو کم نہیں ہوتے البتہ اثاثہ جات میں کمی آ جاتی ہے، لہٰذا بینک ناکام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے سالوں میں سودی بینکوں کی ناکامی کے واقعات بہت زیادہ ہوئے ہیں۔ امریکہ کی فیڈرل ڈیپازٹ انشورنس کارپوریشن کی 1987ء کی سالانہ رپورٹ (جدول نمبر 122) کے مطابق امریکہ میں 87-1934ء کے اثنا میں 1333 بینک فیل ہوئے جن میں 87-1980ء کے سات سالوں میں 631 فیل ہوئے اور 1987ء کے ایک سال میں 184 فیل ہوئے۔[۲۱]

اس کے برعکس بلاسود بینک کی ساخت میں ایک بنیادی استحکام موجود ہے، ان بینکوں میں جب کوئی بچت کنندہ رقم لگاتا ہے تو نفع و نقصان میں شرکت کا پابند ہوتا ہے، لہٰذا اگر بینک کے اثاثہ جات کی قدر میں کمی آتی ہے تو اتنی ہی کمی اس کے واجبات میں بھی آ جاتی ہے۔ یہی بات آئی۔ ایم۔ ایف کے سٹاف پیپر نمبر 33 میں بھی کہی گئی ہے[۲۲]

## XIII- کامیابی کے امکانات

اس سلسلے میں ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب ساری دنیا پر سودی معیشت کا غلبہ ہے اور مسلمان اپنی معیشت اور سیاست میں غیر مسلموں پر انحصار رکھتے ہیں وہ کیسے اس طرح کا انقلابی نظام برپا کر سکتے ہیں؟

اگرچہ بدیہی نظر میں یہ بات بہت مضبوط ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود غیر مسلم دنیا ایک غیر محسوس طور پر ایک ایسے نظام کی طرف حرکت کر رہی ہے جو کہ غیر سودی

© rasailojaraid.com

مالیاتی نظام سے بہت قریب ہے۔ اس کے چند ایک شواہد یہ ہیں :

(۱) بینکوں کا روایتی رول تیزی سے بدل رہا ہے' روایتی طور پر بینک عام لوگوں کی بچتوں کو کاروباری لوگوں کو سود پر قرض دیتے ہیں۔ لیکن اب بینکوں کا یہ کاروبار تنزل پذیر ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ بینکوں کے ناکام ہونے کے واقعات عام ہونے کی وجہ سے بینکوں کو منضبط کرنے والے ادارے (Regulators) کی طرف سے یہ دباؤ بڑھ رہا ہے کہ بینک اپنے اثاثہ جات کا ایک خاص حصہ (جو آج کل 8 فی صدی ہے) کے برابر اپنا سرمایہ لگائیں۔ چونکہ عام طور پر بینکوں کے لئے یہ ایک کڑی شرط ہے لہٰذا وہ بچت کنندوں کا سرمایہ اپنے پاس رکھ کر اسے قرض دینے کے بجائے' سرمایہ مانگنے والے کاروباری اداروں کو کہتے ہیں کہ یہ ادارے اپنے تمسکات یا حصص یا مالیاتی سرٹیفکیٹ جاری کریں اور بچت کنندگان یہ تمسکات یا حصص خرید لیں۔ اس سے بینک صرف اپنا کمیشن وصول کر لیتے ہیں۔ بچت کنندگان کو بھی زیادہ منافع کی امید ہوتی ہے کیونکہ وہ علاوہ منافع (Dividend) کے ان تمسکات کو سٹاک ایکسچینج پر فروخت کر کے بھی اضافی منافع کے امیدوار ہوتے ہیں۔ سرمایہ لینے والوں کو بھی اس طریقہ میں کشش ہوتی ہے کیونکہ ان تمسکات کی بے شمار اقسام ہیں' ہر ایک کی شرائط' حقوق و واجبات مختلف ہوتے ہیں' اس طرح سرمایہ کے حصول اور اس کی شرائط میں بہت تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ بینکوں کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انہیں کمیشن تو مل جاتا ہے لیکن ان کے واجبات و اثاثہ جات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ چنانچہ اس طرح سے مالی سہولت حاصل کرنے کا رجحان بہت بڑھ رہا ہے۔

امریکہ کی مثال لے لیجئے۔ ایک طرف تو وہاں پر بچت کنندوں نے اپنی رقوم بینکوں سے نکلوا کر مختلف قسم کے میوچل فنڈز میں لگانا شروع کر دی ہیں (ان میوچل فنڈز میں 1993ء کے آخر تک 2 کھرب ڈالر (2Trillion) لگے ہوئے تھے' جبکہ بینکوں میں بچتوں کا حجم محض 2.7 کھرب ڈالر تھا) دوسری طرف سرمایہ کاروں نے اپنی

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

مالی ضروریات کے لئے سیدھا سٹاک ایکسچینج کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے، چنانچہ 1970ء میں امریکہ میں کاروباری اداروں کے کل قرضہ جات کا 65فی صدی بینکوں سے جاری ہوتا تھا لیکن 1992ء تک یہ شرح صرف 36فی صدی رہ گئی تھی۔[۲۳]

(ب) جیساکہ اوپر اشارتاً ذکر ہوا ہے اب ترقی یافتہ ممالک میں عام رجحان یہ ہے کہ بچت کنندگان اپنا پیسہ بینکوں میں رکھنے کے بجائے مختلف قسم کے میوچل فنڈز اور پنشن فنڈز میں لگانے لگے ہیں۔ 1980ء میں امریکہ میں صرف 6فیصدی گھرانے اپنا سرمایہ ان فنڈز میں لگایا کرتے تھے لیکن 1990ء تک یہ شرح 28فیصدی تک ہو گئی تھی۔ اسی طرح 1980ء میں عام گھرانوں کی بچتوں کا 46فی صدی بینکوں میں جایا کرتا تھا لیکن 1990ء میں یہ شرح گھٹ کر 38فی صدی رہ گئی تھی۔

(ج) تمام ترقی یافتہ ممالک میں کریڈٹ کارڈ کا عام رواج ہے 'کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سے ایک عام آدمی کسی بھی سٹور سے اپنی روزمرہ کی ضروریات خرید سکتا ہے۔ وہ سٹور اپنی رقم تو متعلقہ بینک سے لے لیتا ہے اور بینک اس کو خریدار کے حساب میں لکھ دیتا ہے۔ اب اگر یہ خریدار 30دن کے اندر اندر ادائیگی کر دے تو اسے کوئی سود نہیں دینا پڑتا ہے' تاخیر کی صورت میں سود دینا پڑتا ہے۔ بینکوں کی طرف سے کریڈٹ کارڈ کا اجراء تو اسی اندازہ پر مبنی ہے کہ عام لوگ کسی نہ کسی وجہ سے تاخیر ضرور کر دیں گے اور اس طرح وہ سود کما سکیں گے' لیکن اس بات کا ایک دوسرا رخ بھی ہے کہ پہلے 30دن کے لئے تو یہ رقم قرض حسن ہی ہوتی ہے جبکہ بینک کسی اور موقع پر قرض حسن ایک دن کے لئے بھی نہیں دیتے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک محدود حد تک ہی سہی' لیکن انسانیت نے قرض حسن کو ایک باقاعدہ شکل دے کر رائج کیا ہے۔ اس نظام کو اسلامی اسلوب پر ڈھالنے کی بہت گنجائش ہے۔

(د) دنیا میں آج کل براہ راست بیرونی ممالک میں سرمایہ کاری (Direct Foreign Investment) کا بہت چلن ہو رہا ہے۔ ایک

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

اندازے کے مطابق 1987ء سے 1990ء کے درمیان تقریباً ایک ارب ڈالر سالانہ کی سرمایہ کاری ایشیا کے ترقی پذیر ملکوں میں بیرونی سرمایہ داروں کی ہے۔[۲۴] اندازہ کیا جارہا ہے کہ مستقبل میں یہ رجحان اور بڑھے گا کیونکہ اس طرح سے سرمایہ کاروں کو سود کی نسبت زیادہ منافع کی امید ہے۔[۲۵] یہ بات اس اعتبار سے بھی خوش آئند ہے کہ سود پر بیرونی امداد بتدریج کم ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں سرمایہ کاروں کا براہ راست سرمایہ کاری میں پیسہ لگانا ایک اچھا نشان ہے۔ جس طرح ماضی میں بینک سود پر قرض دینے کے لئے مسابقت کرتے تھے آج کے دور میں براہ راست سرمایہ کاری کرنے والے ایسی ہی مسابقت میں لگے ہوئے ہیں۔[۲۶]

(۵) ایک اور خوش آئند بات یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بہت سا سرمایہ براہ راست خطرناک منصوبوں میں لگنے کے لئے دستیاب ہو رہا ہے۔ اس کو Venture Capital کہتے ہیں، یعنی وہ لوگ جو کسی نئے خیال یا سائنسی دریافت یا نئی ٹیکنالوجی کو عملی طور پر دنیا میں لانا چاہتے ہیں ان کی مدد کے لئے ایسے لوگ موجود ہیں جو نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر پیسہ لگانے کو تیار ہیں۔ بتدریج ایسے سرمایہ کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انسانیت خود سے ایک ایسے نظام کی طرف مائل ہے جو سود سے پاک ہو۔ اس میں کچھ عمل دخل تو خود سود کی اپنی چیرہ دستیوں اور ارتکاز دولت سے پیدا شدہ ناانصافیوں کا ہے اور کچھ فطری کشش ایسے نظام میں ہے جو نفع و نقصان کی بنیاد پر ہو، کیونکہ اس میں نفع کے زیادہ ملنے کے امکانات زیادہ ہیں، اگرچہ نقصان کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ ایسے حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ اگلی صدی انسان کی صحیح معنی میں آزادی کی صدی ہو جب وہ دولت کی غلامی سے نکل جائے گا۔ جب تک سود موجود ہے دولت انسان پر غالب رہے گی، صرف سود کے خاتمہ کے ساتھ ہی انسان حقیقی طور پر آزاد ہو سکے گا۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

# XIV- چند لازمی شرائط

اس مقالے میں جو تجاویز دی گئی ہیں ان کی کامیابی کے لئے چند لازمی شرائط ہیں۔

## ا- سیاسی عزم

حکومت اس کا عزم کرے کہ اس نے سود کو ختم کرنا ہے۔ ڈھیلے ڈھالے طریقے سے محض زبانی تائید سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

## ب- قانونی تبدیلیاں

مذکورہ بالا تجاویز بہت سی قانونی اور ضابطے کی تبدیلیوں کو لازم کرتی ہیں۔ اس کے لئے بہت مفصل کام کی ضرورت ہو گی جو حکومت کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس میں قومی اسمبلی اور سینٹ کو بہت مثبت اور فعال کردار ادا کرنا ہو گا۔

© rasailojaraid

## ج- بلاسود مالیاتی اداروں کے بارے میں علمی تشہیر

بہت سے لوگ، بالخصوص بیورو کریٹ، بینکار اور پڑھے لکھے لوگ دلی طور پر سمجھتے ہیں کہ بلاسود معیشت ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا بہت بڑے پیمانے پر ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے سے اس کے قابل عمل حل پیش کئے جائیں۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں سود کے نقصانات اور بلاسود نظام کو شامل نصاب کیا جائے تاکہ علمی طور پر اس کام کی بنیادیں راسخ ہو سکیں۔

## د- مقامی عدالتوں کا قیام

اس نئے نظام کو کامیاب بنانے کے لئے مقامی سطح پر عدالتوں کو قائم کیا جائے جو کہ جلد اور سستا انصاف فراہم کریں اور مالیاتی اداروں سے لین دین میں بے ضابطگی

© rasailojaraid

کے مرتکب افراد کو سزا دے سکیں۔

### ہ۔ کاروباری افراد اور اداروں پر معلومات

حکومت اور پرائیویٹ سطح پر ایسے اداروں کے قیام کی ضرورت ہے جو آزادانہ طور پر کاروباری اداروں اور اشخاص کے بارے میں Credit Rating پر معلومات فراہم کریں' تاکہ جو لوگ معاملات میں نادہند ہوں یا گڑبڑ کرنے والے ہوں ان کو کسی جگہ سے بھی کوئی مدد مل نہ سکے۔ قانوناً یہ ضروری ہو کہ جس نے بھی بینکوں سے لین دین کرنا ہو وہ ان اداروں سے اپنی ساکھ کے بارے میں تصدیق کروائیں۔ بینک براہ راست ان اداروں سے معلومات حاصل کرنے کے مجاز ہوں۔

© rasailojaraid.co

### و۔ سٹاک ایکسچینج کی اصلاح

چونکہ اسلامی معیشت بڑے پیمانے پر مالکانہ حصص اور دیگر بہت سے سرمایہ کاری کے آلات کو وجود میں لاتی ہے' لہٰذا ضروری ہو گا کہ بہت سے سٹاک ایکسچینج وجود میں آئیں' جن میں کاروبار کو بہت قرینے سے منضبط کیا جائے تاکہ سٹہ بازی' مخبرانہ تجارت (Insider Trading) اور دیگر بے قاعدگیوں کا سدباب کیا جاسکے اور لوگوں کے سرمایہ کو تحفظ ملے۔

### ز۔ تاجروں کی پیشہ ورانجمنوں کی حوصلہ افزائی

ہر صنعت و حرفت کے تاجروں کی پیشہ ورانہ انجمنوں کے قیام کے لئے حوصلہ افزائی کی جائے اور آئندہ مالی لین دین کے لئے ان انجمنوں کی ضمانت پر بینک چھوٹے اداروں یا چھوٹے کاروباری اشخاص سے لین دین کر سکیں۔ یہ انجمنیں بینکوں سے رقوم کی واپسی کا اطمینان بھی دلائیں اور عملی مدد بھی کریں۔

© rasailojaraid.co

# XV- حرف آخر

سود ایک بہت ہی پیچیدہ امر ہے' یہ پوری معیشت میں بہت گہرائی تک سرایت کیے ہوئے ہے' اسے کسی آسان اور سہل طریقے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جب اسے ختم کرنے کی عملی جدوجہد شروع ہو گی تو یہ سو طریقوں سے دوبارہ در آنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا ضروری ہو گا کہ ایسا اداراتی نظام (Institutional Arrangement) کیا جائے جو اس بات کی نگرانی رکھے کہ یہ کسی بھی راستہ سے دوبارہ معیشت میں داخل نہ ہو سکے۔ ایک تجویز یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت ایک مستقل کمیشن اس کی نگرانی کے لئے رکھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سٹیٹ بینک اور دیگر بڑے بینک اپنے ہاں شریعت بورڈ قائم کریں جو بینکوں کے کام کی نگرانی کریں اور انہیں شریعت پر چلنے میں مدد دیں۔ بین الاقوامی طور پر نہ صرف قرض دینے والے اداروں اور حکومتوں کو سود پر بندش کے نئے قواعد سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہو گی بلکہ دوسری اسلامی حکومتوں اور اسلامی بینکوں سے براہ راست تعاون اور تعلقات استوار کرنے بھی ضروری ہوں گے۔ یہ ایک بہت لمبا اور صبر آزما کام ہے' لیکن اس کی برکات ایسی ہوں گی کہ زمین رزق اگلے گی اور آسمان اوپر سے رزق برسائے گا اور خوشحالی اور خیر و برکت کے دروازے کھل جائیں گے' بے روزگاری' غربت' نکبت اور ذلت دور ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ!

۲۱ Darrat, F., "Islamic Banking : An outline of some conceptual and Empiricial Results" *Savings and Development*, Milan (XIV : 1), 1990 Pp. 188

۲۲ Khan Mohsin S., *Islamic Interest Free Banking*, IMF Staff Paper No. 33, 1986, Pp. 19

۲۳ "A Survey of International Banking" *Economist*, London, 30 April 1994, Pp. 11

۲۴ *Priviate Market Financing for Developing Countries*, Washington : IMF, 1994, Pp. 27

۲۵ ایضاً

۲۶ *Promoting Foreign Direct Investment in Developing Countries*, Pains: OECD, 1993, Pp. 55

© rasailojaraid.com